© rasailojaraid.com

مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ مسیحی اقلیت پر عائد کردہ پابندیوں کو نرم کریں، تاہم دستاویز میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ مسلم ممالک کے ردعمل میں جرمنی کی مسلم آبادی کے ساتھ اس قسم کے طرز عمل کو روا نہیں رکھا جانا چاہیے۔

کونسل آف بشپس کے صدر کارڈینل کارل لیمان نے کہا کہ مسلم مسیحی مکالمہ کوئی سال گزرنے کے باوجود اسلام کے صحیح تعارف کی کوششیں مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کر پائیں کیونکہ ذرائع ابلاغ کے منفی اور اسلام دشمن کردار کی بدولت جرمن عوام کے ذہنوں میں اسلام کی منفی تصویر راسخ ہو چکی ہے۔ لیمان نے کہا کہ مسلمانوں پوری طرح سے جرمن معاشرے کا حصہ نہیں بن سکے جس کی وجہ یہ ہے کہ بعض انتہا پسند عناصر مذہبی رواداری کے فقدان کی وجہ سے انہیں جرمن معاشرے کا فطری جزو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں مسلمانوں نے متعدد مثبت اقدامات کرنے میں پہل کی ہے لیکن دوسرے فریق کی جانب سے ان کا مثبت جواب نہیں دیا گیا۔

لیمان نے بتایا کہ ان کے ادارے نے مذہبی راہنماؤں، میڈیا کے ماہرین اور ماہرین نفسیات پر مشتمل مختلف کمیٹیاں تشکیل دے رکھی ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کے بارے میں خوف کی فضا کو زائل کیا جائے، اسلام کی زندہ اور حقیقی تصویر پیش کی جائے اور مسلم مسیحی مکالمہ کو فروغ دیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ مسلم مسیحی مکالمہ کا فروغ جرمن کیتھولک چرچ کی اولین ترجیحات میں شامل ہے اور مذکورہ دستاویز اسی ضمن میں شائع کی جانے والی مطبوعات کے اس سلسلے کی ایک کڑی ہے جس کا آغاز جرمن کیتھولک چرچ نے ۱۹۸۲ء میں مسلم مسیحی تعلقات کو بہتر بنانے کے لیے کیا تھا۔

(www.IslamOnline.net ۔ ہفت روزہ ’’العالم الاسلامی‘‘ ۶۔ اکتوبر ۲۰۰۳ء)

(۳)

ہم آہنگی کا ایک خوشگوار تجربہ

انہیں نہ اردو آتی ہے اور نہ وہ روزمرہ دعاؤں کا مطلب سمجھ سکتے ہیں لیکن ایان پیٹرسن (Ian Paterson) کا یہ کمال ہے کہ انہوں نے کنگ عبدالعزیز اسلامک سکول کو تباہ ہونے سے بچالیا۔ ڈاکٹر پیٹرسن، جو تیس سال تک اعلیٰ طبقے کے ایک مسیحی سکول کے سربراہ رہے، چھ ماہ سے ایک ایسے وقت میں اس مذہبی سکول کے ہیڈ ماسٹر کے طور پر خدمات انجام دے رہے ہیں جبکہ آسٹریلیا کے لوگ اسلامی سکولوں کے بارے میں بہت محتاط اور اپنے درمیان بسنے والے مسلمانوں کے بارے میں بداعتمادی کا شکار ہیں۔

آسٹریلیا کی مسلم آبادی، جو اگرچہ اب تک امریکہ یا فرانس کی بہ نسبت تعداد میں بہت تھوڑی ہے، آہستہ آہستہ بڑھ رہی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ مزید مسجدیں اور مذہبی سکول بنانے کی خواہش میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ ان منصوبوں کو غیر مسلم آبادی کی طرف سے مزاحمت کا سامنا ہے جن کے ذہنوں میں نیو یارک کے گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعات اور گزشتہ سال بالی کے بم دھماکے تازہ ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر پیٹرسن نے کہا کہ ''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میں اپنے آپ کو ایک پل یعنی دونوں مذاہب کے پیروکاروں کے مابین بہتر مفاہمت کو فروغ دینے کا ذریعہ سمجھتا ہوں،'' تاہم ناکس گریمر سکول (Knox Grammar School) میں انہوں نے جو دولت اور اعزاز دیکھا، اس میں اور کنگ عبدالعزیز سکول، جو سڈنی کے غریب ترین علاقے میں واقع ہے، کی ناگفتہ بہ صورت حال کے مابین تفاوت بہت زیادہ ہے۔

سکول بورڈ کے ڈائریکٹر اکبر خان نے بتایا کہ ''جب وہ شروع شروع میں یہاں آئے تو سکول کی حالت دیکھ کر سخت حیرت زدہ رہ گئے۔ باتھ روم کی ٹائلیں ٹوٹی ہوئی تھیں، ٹائلٹ بالکل ناکارہ تھے، بچوں کے لیے سہولتیں نہ ہونے کے برابر تھیں جبکہ گرد وغبار بہت زیادہ تھا، لیکن میں نے ان سے وعدہ کیا کہ ان میں سے زیادہ تر چیزیں چھ ماہ کے اندر اندر ٹھیک کر دی جائیں گی۔ اور ایسا کیا جا چکا ہے۔''

پیٹرسن ۱۹۹۸ء میں، قانون کے مطابق ۶۵ سال کی عمر کو پہنچنے پر، ناکس سے ریٹائر ہوئے تو انہوں نے یشیوا کالج (Yeshiva College)، یعنی ایک قدامت پسند یہودی سکول سے رابطہ کیا جہاں وہ دو سال اس منصب پر فائز رہے۔ جب کنگ عبدالعزیز سکول بورڈ نے پیٹرسن سے رابطہ کیا تو اس سے قبل وہ چار سال کے عرصے میں میں چار پرنسپل تبدیل کر چکا تھا، سٹاف کی بار بار تبدیلی کا مسئلہ بھی اسے درپیش تھا اور نظم وضبط بالکل برباد ہو چکا تھا۔

پیٹرسن نے کہا کہ ''ثقافتی اور مذہبی طور پر میں میری یہاں تعیناتی ناموزوں تھی، لیکن وقت سازگار تھا اور انہیں میری اشد ضرورت تھی'' انہوں نے مزید کہا کہ جب سے انہوں نے ذمہ داریاں سنبھالی ہیں، سٹاف، طلبہ اور والدین کی طرف سے انہیں خیر سگالی کا پیغام ہی ملا ہے۔ ''جب میں نے یہاں کام کا آغاز کیا، تو مجھے سب سے زیادہ اچھی بات جو سننے کو ملی، وہ یہ تھی کہ سکول کی کونسل کے ایک رکن نے کہا کہ مسٹر پیٹرسن نے گزشتہ دو سال ایک یہودی سکول میں گزارے ہیں اور اب ان کا خیال ہے کہ اب انہیں ان کے چچا زاد بھائیوں (یعنی مسلمانوں) کے پاس بھی کام کرنا چاہیے۔'' پیٹرسن نے کہا کہ ''یہ بات مسلمانوں کے حد سے زیادہ تحمل اور رواداری کی دلیل ہے۔''

تاہم کچھ دوسرے لوگوں نے زیادہ رواداری کا مظاہرہ نہیں کیا۔ جس رات آسٹریلین براڈکاسٹنگ کارپوریشن نے پیٹرسن کے اس سکول کی ملازمت اختیار کرنے پر ایک ٹی وی پروگرام نشر کیا، تو ٹیرامرا کے اپر مڈل کلاس کے پڑوس میں ان کے گھر کی کھڑکی پر ایک پتھر پھینکا گیا۔ اس کے بعد دھمکی آمیز فون کالیں آئیں جن کے بارے میں انہیں یقین ہے کہ وہ قدامت پرست مسیحیوں کی طرف سے تھیں۔

''میں بے تکلف کہتا ہوں کہ مجھے سب سے زیادہ مثبت ردعمل جو ملا، وہ سکول، مسلم آبادی اور میرے دوستوں کی جانب سے ہے''۔ حتیٰ کہ جناب مفتی شیخ تاج الدین ہلالی نے بھی، جو آسٹریلیا کے اندازاً تین لاکھ مسلمانوں کے روحانی رہنما ہیں، پیٹرسن کی تقرری کی منظوری دے دی۔ مفتی صاحب کے ترجمان قیصر ترادنے کہا، ''آئیڈیل صورت حال میں تو ہم ہیڈ ماسٹر کے طور پر کسی مسلمان ہی کو ترجیح دیتے، لیکن یہ ایک میرٹ پر مبنی نظام ہے اور پیٹرسن اس منصب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے سب سے زیادہ موزوں شخص ثابت ہوئے ہیں اور ہمیں ان کے بارے میں اچھی باتیں ہی سننے کو ملی ہیں۔''

مسٹر خان نے کہا، ''ہمارے ساتھ کام کے آغاز سے قبل ہم نے اس قسم کی باتیں باہم طے کر لی تھیں کہ لڑکیوں کو سکارف ضرور پہننا ہوگا اور لڑکے نماز لازماً ادا کریں گے اور پیٹرسن نے اس کے جواب میں نہایت اخلاص سے کہا کہ ''ہم سب اپنے اپنے طریقے پر خدا کی تعظیم ہی کرتے ہیں۔''

پیٹرسن نے خان سے کہا کہ مذہبی تعلیم کی نگرانی کے لیے ایک الگ کمیٹی تشکیل دے دی جائے۔ اس سے ان پر سکول بورڈ کے اعتماد میں اضافہ ہوا جو، پیٹرسن کے اعتراف کے مطابق، ملازمت اختیار کرنے کے بعد پہلے دو ماہ تک ان کی کڑی نگرانی کرتا رہا۔ ''جب انہیں ایک دفعہ احساس ہوگیا کہ میں سکول کے کلچر کو تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کر رہا تو ان کے انداز میں نرمی آ گئی۔''

ذمہ داری سنبھالنے کے بعد سے پیٹرسن نے کنگ عبدالعزیز سکول میں استحکام پیدا کیا اور اس کے نظم وضبط میں اضافہ کیا ہے۔

انہوں نے کہا کہ ''مجھے یہاں بڑی اپنائیت کا احساس ہوتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ کچھ والدین میرے طریقوں کی مخالفت کریں گے لیکن انہوں نے مجھے ہر قسم کی آزادی دے رکھی ہے۔''

خان کا کہنا ہے کہ حال ہی میں فجی، مصر، پاکستان، بنگلہ دیش اور انڈیا جیسے ملکوں سے نقل مکانی کر کے آنے والے والدین جو اس سے پہلے بہت پریشان تھے، زیادہ تر پیٹرسن سے بہت خوش ہیں۔

ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے پیٹرسن نماز کے اوقات میں سکول کی مسجد میں بھی جاتے ہیں، عام طور پر ایک کونے میں کھڑے رہتے ہیں تاکہ بچے نظم وضبط قائم رکھیں۔ اس سے کچھ نوعمر طلبہ میں تجسس پیدا ہوا۔ ''ایک دن پرائمری سکول کے طلبہ میں سے دو میرے پاس آئے اور مجھ سے پوچھا کہ میں مسلمان کیوں نہیں ہو جاتا اور نماز کیوں نہیں پڑھتا۔ میں نے انہیں بتایا کہ ہم سب اپنا اپنا مذہب رکھتے ہیں اور ہمیں ایک دوسرے کا لازماً احترام کرنا چاہیے۔ یہ وضاحت کارگر ثابت ہوئی'' پیٹرسن نے یہ بات زور دے کر کہی کہ ان کا مسیحی ہونا ایک منتظم کی حیثیت سے ذمہ داریاں انجام دینے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

صرف ایک فرق کے علاوہ، کہ دوسرے سکولوں میں ہفتہ وار ایک گھنٹے کے مقابلے میں اس سکول میں ہفتہ وار چھ گھنٹے مذہبی تعلیم ضروری ہے، باقی نصاب ملک کے غیر مسلم پرائیویٹ سکولوں جیسا ہی ہے۔ پیٹرسن نے بتایا کہ ''آسٹریلیا اور باقی مغربی ممالک میں ایک بہت بڑی غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ تمام اسلامی سکول دہشت گردی کے اڈے ہیں اور ان سے مذہبی جنونی پیدا ہوتے ہیں، لیکن میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ یہ محض ایک مفروضہ ہے۔''

مسلمان یہ بھی دیکھتے ہیں کہ دوسرے لوگ اتنے کھلے ذہن کے مالک نہیں۔ مصعب لیغا نے، جو وائس آف اسلام ریڈیو کے سربراہ ہیں، بتایا کہ حال ہی میں سڈنی میں دو اسلامی سکولوں کی منظوری کی درخواست مسترد کر دی گئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسا کیوں ہے؟ انہیں یقین ہے کہ یہ اس وجہ سے ہے کہ حکومت بچوں کو تعلیم کے لیے عام سکولوں میں بھیجنا پسند کرتی ہے۔ اسی طرح چھوٹے چھوٹے کمیونٹی ہال جو عارضی مسجد کا کام دیتے ہیں، انہیں مقامی حکومتی کونسلوں کی جانب سے مخالفت کا سامنا ہے۔ مسٹر لیغا نے کہا، ''وہ ہم سے کہتے ہیں، تم لوگ جمعے کے دن بہت شور کرتے ہو، بہت سی گاڑیاں اکٹھی ہو جاتی ہیں، اس سے ہمسایے پریشان ہوتے ہیں''۔ حکومت کو شبہ ہے کہ مسلمانوں کے تمام بڑے اجتماع اور اسلامی سکول نفرت اور عدم برداشت کو فروغ دیتے ہیں۔

پیٹرسن اس تعصب کے مقابلے کے لیے دوسرے سکولوں کے بچوں کو اپنے سکول میں آنے اور مسلمان بچوں کے ساتھ ملنے کی دعوت دیتا ہے، جس کے عام طور پر مثبت نتائج نکلتے ہیں۔ ''مسیحی لڑکے اور لڑکیاں یہ جان کر حیران ہوتے ہیں کہ نصاب زیادہ تر ایک جیسا ہے اور بچے بھی فی الحقیقت ایک ہی جیسے ہیں۔ ان کو سب سے زیادہ جس بات سے الجھن ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں آزادانہ ملاقاتیں نہیں کر سکتے اور لڑکیوں کی شادیاں ان کے ماں باپ کی مرضی سے ہوتی ہیں۔''

وہ بدھ بھکشوؤں اور یہودی ربیوں کو بھی سکول میں دعوت دیتے ہیں تاکہ وہ اپنے مذہب کے بارے میں طلبہ کو آگاہ کریں، اور سکول بورڈ اس کی مخالفت نہیں کرتا۔ مسٹر تراد، مسیحی اور دیگر مذہبی رہنماؤں کے ساتھ، گزشتہ دو سال سے ملاقاتوں، خطابات اور سیمینارز کے ذریعے سے مختلف مذہبی گروہوں کے باہمی تعلقات کو فروغ دینے کے مشن میں مصروف ہیں۔

مسلمانوں کے رابطہ پروگرام گیارہ ستمبر کے بعد سے ۵۰ فی صد بڑھ گئے ہیں لیکن سکول کی سطح پر مسلمان اور غیر مسلم طلبہ کے مابین تعامل اور ابلاغ کے فروغ کے لیے زیادہ کوشش نہیں کی گئی۔ تراد نے، جو لبنانی اسلامک اسوسی ایشن کے ڈائریکٹر بھی ہیں، بتایا کہ ''ہم مختلف مسجدوں میں ''کھلے دنوں'' (Open days) کا اہتمام کرتے ہیں جس میں بعض دفعہ ۱۰۰ کے قریب مسیحی آتے ہیں اور ہمارے ساتھ رمضان کے روزے کی افطاری کرتے ہیں، لیکن ان لوگوں میں بچے شامل نہیں ہوتے''۔ انہوں نے مزید کہا کہ ''اگر ایان پیٹرسن اس صورت حال کو کسی طرح سے تبدیل کرنے میں مددگار ہو سکتے ہیں، تو یہ ایک بڑی کامیابی ہوگی۔''

تو کیا پیٹرسن یہ سمجھتے ہیں کہ مذہبی ہم آہنگی کے مستقبل کا دارومدار ان کی کوششوں پر ہے؟

''زیادہ تر تو مجھے اساتذہ، والدین، اور ضدی قسم کے بچوں کے مسائل کو سنبھالنا ہوتا ہے'' پیٹرسن نے ہنستے ہوئے بتایا۔ ان کی اس بات سے طلبہ بھی متفق ہیں۔ ایک طالب علم عبد اللہ حکیم نے کہا، ''اب برا رویہ اختیار کرنے پر بچوں کو سکول سے نکال دیا جاتا ہے۔ اب ہمارے لیے معاملات ذرا سخت ہو گئے ہیں۔''

(جنا کی کریمر، ''کرسچین سائنس مانیٹر''، ۹ ستمبر ۲۰۰۳ء)

© rasailojaraid.com